کلیات میں تقریباً بیس رسائل کو جمع کردوں اور ان کی ابتدا خیر کثیر سے ہو کیوں کہ وہ اس کے لئے سب سے زیادہ لائق اور اہم سزاوار ہے، اس امر کو ہم پر آسان فرما کیوں کہ تو ہی ہر مشکل کا آسان کرنے والا ہے اور تو ہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد البدر المنیر وعلیٰ آلہ وصحبہ کل صغیر وکبیر

تحشیہ وتزئین
غ۔ ھ قاسمی

ترجمہ خیر کثیر

امام مولانا عبید اللہ سندھیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا خزانہ

کیا تیرے کان پہ وہ آواز پہونچی جسے اہل نظر (حکما) نے اپنی اعلیٰ کوششوں سے مؤسس کیا ہے کہ وجود ایک امر انتزاعی ہے جسے تو اپنے قلب سے ادراک کرتا ہے۔ اس کی حقیقت صرف ادراک ہی ہے (امر انتزاعی کی حقیقت اس قدر ہوتی ہے جو ذہن میں حاصل ہو) اس کے بعد اس وجود انتزاعی کے مقابلے میں ایک امر ہے جو واقع میں ثابت ہے اس سے فعلیۃ ماہیت اور تقرر ذات کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے، (کیا تیرے کان تک یہ آواز پہونچی) کہ وجود کی تقسیم منحصر ہے دو قسموں میں:۔
ایک موجود من نفسہ اس میں وجود کے حمل کا مصداق اور انتزاع کا منشاء اس موجود کی ذات ہی ہوتی ہے جو سب حیثیتوں اور اعتبارات سے خالی ہے، تو لازمی طور پر یہ موجود تحقق کا نفس اور ماہیت کا عین ہوگا، دوسری قسم موجود من غیرہ اس میں وجود کے حمل کی مصداق اور انتزاع کا منشاء جو چیز متحقق فی نفسہ ہے اس کی طرف استناد کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا پس ضروری ہے کہ وہ فاقد الذات ہو اور اس کا اپنا وجود ہی سمجھا جائے جو اس کی علت کا وجود ہے۔

(اور کیا یہ آواز تیرے کان تک نہیں پہونچی) کہ ممکنات میں ماہیت اور فعلیت کا یہ فرق

ہے کہ جب ایک چیز کو سب چیزوں سے قطع نظر کر کے دیکھا جاتا ہے تو اس کی ماہیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور جب اس کو اس طرح دیکھا جائے کہ اس کی فی نفسہ استناد الی الجاعل کی حیثیت سامنے رہے تو اس کی فعلیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

(اور کیا تیرے کان تک یہ بات نہیں پہونچی) کہ جعل بسیط کا اثر ایک چیز کی اپنی ذات ہے اور اگر وہ جعل نہ ہوتی تو یہ چیز باطل الذات اور خالص منفی ہوتی اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ جاعل کو اپنے مجعول کی طرف ایک خصوصیت حاصل ہوتی ہے، وہ جاعل اس مجعول کے سوا اور کسی چیز کو مستلزم نہیں ہوتا اور مجعول کو بھی اپنے جاعل کے ساتھ ایک خصوصیت ہوتی ہے کہ اس کے سوا اور کسی سے صادر نہیں ہو سکتا۔ پس ضروری ہے کہ جاعل میں ایک ایسی جہت ہو جو وہ مجعول کی حقیقت بنے اور اس کی کنہ کہلائے وہ جاعل کی تمام بہت سارے مجعول کے برابر ہوگی اور وہ مجعول اس جہت کی ایک مثال ہے اور وہ جاعل اپنے درجہ میں اپنی ذات میں تام ہے۔ اس کے تام ہونے کی جہت نے مجعول کو پیدا کیا، جب کہ ممکن کی طبیعت میں اس کی اصل فعلیت کے لئے استناد الی الجاعل ضروری ہے اور جب کہ ہر مجعول کی طبیعت میں ضروری ہے کہ اس کی ایک جہت راسخہ جاعل میں موجود ہو تو عالم تحقق اور اقلیم فعلیت میں کسی چیز کا تحقق اور فعلیت ہونا ناممکن ہے جب تک کہ اس کی ایک جہت واجب جلّ مجدہ میں نہ ہو۔

اب سبحانہ وتعالیٰ کی بزرگی بیان کرنے کا یہ راستہ معین ہوا۔ کہ کہا جائے کہ وہ غیر متناہی چیزوں پر محیط ہے۔ اور یہ احاطہ بھی غیر متناہی ہے، اس کی بزرگی بیان کرنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کہ کہا جائے کہ ایک امر محقق ہے کہ تمام ممکنات کا استناد اس کی طرف برہانی دلائل سے ضروری ثابت ہو چکا ہے جب کہ عقل نے فرض کیا تھا کہ کوئی چیز واجب نہیں (یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے مجد کا پورا اظہار نہیں بلکہ اس کی ضرورت کا ادنیٰ بیان ہے) وہ عین تقریر ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے آگے مفہومات سے کوئی مفہوم یا فعلیات میں سے کوئی فعلیت ہے اس لئے کہ جس مفہوم کی اور جس فعلیت کی ایک جہت واجب میں مندرج نہیں ہے وہ تو ممتنع ذاتی ہے خالص

وہ کلی اور جزی ہونے سے پاک ہے۔ کلی تو اس لئے نہیں ہے کہ اس میں منفیت کا کوئی حصہ نہیں ہے اور کوئی نقص نہیں (کلی اپنے تشخص اور تحصل میں فصل اور تشخص کی محتاج ہوتی ہے۔ تو واجب الوجود کو کلی کیسے کہہ سکتے ہیں جب کہ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے) وہ تو ایسی وجودیت اور تمام محض ہے لیس اور نقص ایک ایسا امر ہے جس کو عقل پیدا کرتی ہے۔ جب وہ ایسی چیزوں کا لحاظ کرتی ہے، جس کے لئے کسی طرح کا وجود نہیں ہے یعنی ایک چیز عقل میں آتی ہے۔ علم سے تعلق رکھتی ہے اگر اس میں استناد الی الفاعل ثابت نہیں ہوا (اس لئے وقوع اور وجود سے خالی ہوگا اور عقل کے سامنے ایک صورت موجود ہے یہ اس کی لیس اور خارج کہا جاتا ہے)

اور یہ کہ وہ جزئی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اوپر کوئی چیز نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی چیز ہے جو اس کے ساتھ مل کر دوسری چیز کے نیچے داخل ہوسکے۔ وہ تو صرف واحد حق جل جلالہ ہے، اور یہ بات بھی یاد رہے کہ جو چیز ہر جہت سے واحد ہو اس سے سوا واحد کے اور کچھ صادر نہیں ہوگا۔ اور نہ واحد کے سوا کوئی چیز اس کو لازم ہوسکتی ہے، ایسا کیوں نہ ہو واحد کا اور کوئی معنی ہی نہیں ہیں سوائے اس کے کہ وہ واحد بسیط سے صادر ہوتا ہے۔ اس میں اس کے واحد ہونے کا لحاظ ضروری ہے، اسے خوب یاد رکھو اور خوب سوچتے رہو!

کیا تجھے یہ بات ان کے فلسفے سے واضح نہیں ہوئی کہ ایک چیز کے لئے جس قدر عوارض ہوتے ہیں ان کی علیت اس پر ختم ہوتی ہے جو اس چیز کے لئے اقتضاء ذاتی سے لازم ہو اور جس قدر لوازم ہیں ان کا سلسلہ ایک لازم پر ختم ہوتا ہے۔ یہ لازم واحد اس چیز کے تقاضے جس قدر چیزیں لازم ہوسکتی ہیں ان سب کا مجموعہ ہے اور اس چیز کی جو جہت واجب میں ہوگی اس کی ایک مثال ہے۔

اور کیا تیرے لئے ان کے فلسفے سے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ تقرر ماہیت کا پہلا تمثل ہے۔ اور ماہیت کا تقدم اس پر تقدم بالذات مانا جاتا ہے، اور تقرر سے جتنی چیزیں بعد میں لازم ہوتی ہیں وہ اسی تقرر کی تمثلات ہیں۔ اور کیا تیرے لئے ان کے فلسفے سے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ماہیت امکانیہ اور حقیقت واجبہ اس بات میں تو مشترک ہیں کہ ہر ایک کا لازم اول ایک ہوتا ہے۔ اور تمام عارضی چیزیں اور لوازم اس ایک لازم پر ختم ہوتے ہیں

اس اشتراک کے باوجود ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ممکن انفعالی چیز ہے۔ اس کے تقرر سے جو درجہ بالذات متقدم ہے اس میں اس کے کمالات کے فرائض اور نوافل اس لئے نہیں تمثل ہوتے کہ وہ فی نفسہ ناقص ہے وہ فاقد الذات ہے اپنی ذات میں بھی وہ واجب کا منتظر ہے اور یہ انتظار اس کے لئے موت سے زیادہ سخت ہے۔ اور واجب فعلی چیز ہے اس کے درجہ سابقہ میں اس کے کمالات کے فرائض اور نوافل متمثل نہیں ہوتے۔ تو اس سے اس کی بلندی، اس کی سبقت، اس کی بزرگی اور اس کی عزت ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ ہر چیز سے پہلے ہے اور ہر چیز اس کے تابع ہے اور ہر فعلیت کے لئے وہ امام ہے۔

(اور کیا تیرے لئے ان کے فلسفہ سے واضح نہیں ہو چکا) کہ کلیت اور جزئیت عقل کے عمل اور ادراک کی صنعت کی نئی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں اور جو چیز فی نفسہ (واقعی) ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذات کے درجہ پر) ان دونوں وصفوں سے بری ہوتی ہے۔ اس لئے کسی امر کی حقیقت اور اس کا اندرونی راز تو وہ جہت کہلا سکتی ہے جو مجعول کے لئے اصل ہے اور جاعل میں موجود ہے اور یہ جاعل کی پوری تاثیر سے پوری جہت پیدا ہوتی ہے۔ مجعول اس جہت سے نہ تو عام ہو سکتا ہے اور نہ خاص اور اس جہت کے حساب سے جس جگہ یہ چیز واقع ہوئی نہ تو کوئی دوسری چیز واقع ہو سکتی ہے اور نہ کوئی مفہوم اس کے سوا سمجھ میں آسکتا ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جنس اور فصل اور تعین یہ سب چیزیں عقل میں تمیز حاصل کرتی ہیں، یہ عقلی تصور اس درجہ سے بالکل منقطع ہوتا ہے جو اس چیز کے لئے عنداللہ حاصل ہے۔

(کیا تجھے ان کے فلسفہ سے یہ چیز واضح نہیں ہوئی) کہ وجود خیر محض ہے، جس میں جاعل کی طرف نسبت کرنے کے حقوق بھلا دیئے جاتے ہیں، پس ضروری ہے کہ شریت (شر ہونا) اور عدمیت کے لئے کوئی دعوت الحق نہیں ہے۔

(اور کیا تجھے ان کے فلسفے سے یہ بات واضح نہیں ہوئی) کہ تفارق بالعدد (عدد کے لحاظ سے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہونا) سفلی حادثات کا حصہ ہے، مقدس کائنات میں ایک دوسرے سے تفریق کا مبداء عدد نہیں ہوتا۔ بلکہ ماہیت بنفسہا (بذات خود)

ہوتی ہے۔

(اور کیا تجھے یہ بات واضح نہیں ہوئی) کہ نشأت دنیا میں جو چیز متمثل ہوتی ہے ضروری ہے کہ نشأت علیا[1] (اوپر کے موطن) میں اس کا ایک امام ہو کمال کے اصول اور اس کے فروع میں (اس متمثل کا اقتدا اس امام کے ساتھ ہو) یہاں تک کہ افلاک کے لئے بھی ان کے ائمہ مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اشراقی حکماء نور اور نار (آگ) کی عبادت میں مبتلا ہو گئے۔ یہ ان کی جہالت ہے اور حق سے ایک قسم کی عداوت ہے ورنہ اس کا وجود نشأت عالیہ (عالم مثال) میں ائمہ کے درجہ سے نہیں بڑھتا۔ اور کوئی امام اس قابل نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔

(اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) کہ کسی چیز کے ساتھ لوازم اور ذاتیات کا منظم ہونا نہیں پوچھا جا سکتا۔ یہ ایسا مہمل سوال ہے جو جواب کا مستحق نہیں ہے، پس یہ نہیں کہا جائے گا کہ انسان کیوں ناطق ہے یا متعجب ہے اور آگ کیوں گرم ہے، اس لئے کہ مجعول کی جو جہت جاعل میں ہے وہی ان دونوں کو ایک سلک میں پرو دیتی ہے اور عدم کے پردہ سے یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے گلے ملی ہوئی ظاہر ہوتی ہیں۔

اور لازم یا تو اجمال ماہیت کی ایک تفصیل اور شرح ہوتا ہے اور یا ان دونوں کو جاعل نے کسی امر مشترک کی وجہ سے ایک سلک میں پرو دیا ہے۔

(اور یہ چیز بھی یاد رکھنا ضروری ہے) کہ جوہر اور عرض کے افتراق کا موقعہ تمثل کا میدان ہے۔ باقی اگر (دونوں کی) جہت کو (جو جاعل میں ہے) دیکھا جائے تو یہ دونوں طبیعتیں اس کے لحاظ سے برابر اور مساوی ہیں[2]

کیا تجھے مشائی حکیموں کی وہ چال یاد نہیں جو فلک کے لئے حرکت دوریہ کو لازم بنانے میں استعمال کرتے ہیں۔

یہاں تک یہ مسائل وہی ہیں جو ایک حکیم ربانی، اہل عقل اور حزب البرہان کے مسائل میں سے انتخاب کرتا ہے۔ پسند کرتا ہے۔ ان میں فکر کریں اور غافل نہ بنیں۔

---

[1] اس نشأت علیا یا اعلیٰ موطن سے مراد عالم مثال ہے۔
[2] یہ پوری سطر کا ترجمہ اصل املا میں چھوٹا ہوا ہے۔

اب ہم ایک مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ حکمت کی اصل اور تحقیق کا بیج ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اسم اسے کہتے ہیں جو ایک چیز کا عنوان ہو۔ اور مسمی سے اسم جدا نہیں ہوتا سوا شرحی ہیئت اور تفصیلی خصوصیت کے۔

اب یہ بات جانئے کہ صادر الاول اسماء الہیہ میں سے ایک اسم ہے اور اسکی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ واجب میں اور صادر الاول میں تفریق کی وجہ سب حکماء کے نزدیک وہ ماہیت کا مختلف ہونا ہے۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ کیا صادر الاول ایک عنوان نہیں ہے۔ واجب کے لئے جو اس کے دیکھنے والے کی نظر کو حقیقت واجبہ تک پہنچا دیتا ہے اور اس چیز سے انسلاخ اور خالی ہونا۔ (صادر الاول کی) امکانی طبیعت کے مخالف ہے، خصوصاً مقدس امکانیات میں یہ انسلاخ اور بھی ناممکن ہے کیا صادر الاول کی ایک جہت واجب جل مجدہ میں مندرج نہیں ہے؟

اور کیا وہ صادر الاول اس جہت کی شرح اور تمثال نہیں، پس ضروری ہے کہ اسے اسم کہا جائے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ واجب کی وحدت صرفہ میں ممکنات کی تمام جہات مندرج ہیں۔ یہ ممکنات موجود ہوں یا مفروض ہوں اور اسی طرح صادر الاول (یعنی اس کی جہت واجب میں مندرج ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ صادر الاول سارے کا سارا اسی جہت کی تمام قوت کا نتیجہ ہے، اور جب کوئی اس طرح ہو کہ وہ ساری چیز کی جہت کے سارے اثر کا نتیجہ ہو تو ہم اس کو اطلاق سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ماسوا ہر ایک چیز کا وجود اللہ میں مستہلک ہے۔ کیونکہ اللہ ہر فعلیت کو ہر حیثیت سے احاطہ کئے ہوئے ہے اور امتیاز ان خصوصیات سے پیدا ہوتا ہے جو ایک دفعہ کے لزوم کے بعد دوسری دفعہ اور اس کے بعد مقرر لازم ہوتی رہتی ہیں (اور یہ قاعدہ ہے) کہ ہر ایسی چیز جو دوسرے میں مستہلک ہو جب وہ مطلق ہوتی ہے تو اس کا حمل اصل پر صحیح ہوتا ہے اور وہ اس کا عنوان بن جاتی ہے اس لئے کہ امتیاز تو خصوصیت کے سوا ہوتا نہیں اور یہ چیز جس میں مستہلک ہے نہ تو مطلق

ہونے کی وجہ سے اس کے مخالف ہے اور نہ اپنے تحقق میں اس کے مخالف ہے تو اس وقت یہ فقط اس جہت کی تفصیل اور شرح ہے۔

اور باقی لوازم سے اس طرح ممتاز ہے کہ صادر الاول کے سارے لوازم اس کے اثر سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کی تمامیت لوازم کے مجموعے سے پیدا ہوتی ہے یہ صادر الاول کے کسی چھوٹے اور بڑے لازم کو نہیں چھوڑتا مگر اس کا احاطہ کر لیتا ہے، مو طن تحقق میں لزوم کے مرتبے پر فقط صادر الاول لازم بنتا ہے چاہے اسے بخصوصہ کہدو یا اسے بعمومہ کہدو، اس لئے کہ حقیقت میں تو وہاں نہ خصوص ہے اور نہ عموم ہے، وہ ایسا نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے توہم پیدا کر رکھا ہے کہ وہ مقدم ہے اس لئے کہ اس کو سب خیرات (نیکیاں) لازم ہیں پھر یہ کہ وہ ایک جزئی ہے تمام جزئیات کی امام اپنی ماہیت کی جہت سے تو یہ توہم ایک بیہودہ بات ہے، اس کے حق میں باطل ہے، اس کی طبیعت کے لئے ممتنع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے لئے نہ تو کوئی کنہ ہے اور نہ حقیقت سوائے اس جہت کے جو واجب میں مندرج ہے اور اس جہت سے اس کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے سوا اس کے کہ یہ اس کی ہیئت تفصیلیہ ہے اور اس کی خصوصیت شرحیہ ہے۔ پس یہ واجب کا ایک اسم ہو سکتا ہے پھر:- جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

اور یقیناً جان لو یہ حکم پھیلتا جائے گا انبجاس ثانی اور ثالث میں اور اسے کھینچتے لے جاؤ! عرض میں بغیر انتہا کے جیسے کہ واجب جل مجدہ کی ذات میں کوئی انتہا نہیں اس کے محاذات میں ان اسماء صادرات کی کوئی انتہا نہ ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تجھ سے تیرے ہر اسم سے سوال کرتا ہوں جو تیرے لئے ہے اور تم نے اس کے ساتھ اپنی ذات پر نام رکھا ہے یا اس اسم کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا ہے یا علم غیب میں اس کو اپنے پاس رکھا ہے۔

اور اسے کھینچتے لے جاؤ! طول میں یہاں تک کہ تمثلات موجودہ ازلیہ ختم ہو جائیں۔ اور آپس میں ملکر ایک ہو جانے سے اداوہ پیدا ہو جائے۔ یہاں سے عالم حادث پیدا ہوگا جو احکام الاسماء کے خلط سے جو اداوے کے ماتحت ظاہر ہوا۔ مقہور رہے گا۔ یہاں کوئی ایک چیز ساری کی

ساری کسی دوسری ایک چیز کی پوری قوت سے ظاہر نہیں ہوتی، نہ یہاں تقدیس ہے نہ عنوانیت ہے، تو ضروری ہے کہ ایک چیز جسے غیر کہا جائے جسے محدث اور معلوم کہا جائے پیدا ہوگی۔

پھر عالم جہاں ختم ہوتا ہے اس طرف تمثلات مجردہ ثابت ہوتے ہیں اور انیات مقدسہ ظاہر ہوتے ہیں وہ ذات کی طرف کامل طور پر پہنچا دیتی ہیں ان میں عنوانیت پوری موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) اللہ کی طرف لوٹنا ہے، ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں، آگاہ ہو جاؤ! سب چیزیں اللہ کی طرف لوٹینگی۔ پس یہ اللہ کے عودیہ اسماء (لوٹنے والے) ہیں۔ جو شخص توفیق پاتا ہے کہ اس سلسلے دوری کو اس کے تمام احکام کے ساتھ سمجھ لے تو خیر کے تمام شعبوں کے لئے موفق ہوا۔ (اس کو توفیق ملی) حزب الحکمۃ کے نزدیک ایک جامعہ کلمہ یہ ہے کہ عالم سارے کا سارا اللہ کا غیر ہے مگر یہ اس معنی میں نہیں جس طرح عام لوگ تصور کرتے ہیں کہ عالم کے لئے مستقل فعلیت مانتے ہیں اور اپنے سر پر اس کا علیحدہ تحقق سمجھتے ہیں، حزب الحکمۃ کے نزدیک ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ واجب کی ایک جہت کی تمثال ہے اور اس کے کمال کی ایک شرح، غیریت کا مناط (مدار) عالم کا فی نفسہ ختم ہو جانا اور اپنی ذات میں معین ہونا یہ دونوں چیزیں عالم کے انبہار کی وسعت اور واجب کے اطلاق کی تعری (خالی ہونا) اور اس کے احاطے کی شدت سے پیدا ہوئی ہیں اگر واجب اس کو شامل نہ ہوتا تو یہ عالم غیر متناہی کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہوتا اور اس کا اپنی ذات میں تدنس اور اس کی طبیعت میں تلوث جو واجب کے کمال قدوسیت اور تمام سبوحیت سے پیدا ہوا اور اگر واجب اس کو اپنے اندر نہ لے لیتا تو اس کے قدس کی وجہ سے کچھ بھی نہ ہوتا اور انسداد عنوانیت کا اور انعدام افضا کا اس لئے ہے کہ ان دونوں کا صدور ظہور کی تیزی سے ہو اگر وہ اپنے اندر اس کو نہ لپیٹ لیتا تو ظہور کی وجہ سے یہ کچھ بھی نہ ہوتا عنوانیت اور افضاء کی نفس کے لئے یہ مثال اچھی ہے۔ کہ جیسے الحیوان المطلق لا بشرط شئی بہ نسبت الحیوان الکلی بشرط لا اور الحیوان الجزئی بشرط شئی۔ تو حیوان مطلق ان دونوں کو اس لئے شامل ہوا کہ اس میں اطلاق بہت زیادہ ہے اور یہ دونوں ان کی تناہی نے ان کو روک دیا۔ اور ان کے تدنس نے عنوانیت سے روکا۔ اور اس سے روکا کہ ان دونوں کی تمام طاقت حیوان مطلق

کی تمام طاقت کا نتیجہ ہو۔ اس کے بعد تجھے حکم بتاتے ہیں کہ کیا ممکن ہے کہ صادر اول اپنی اس طبیعت کے ساتھ واجب کا غیر ہو سکے۔ جس کو عقل کا نام دیا جائے۔ حاشاہ عن ذلک ثم حاشاہ

ظلمانی کائنات کا ثبوت موطن قدسی ظہور اور تمثل کے طور پر تجھے پریشان خاطر نہ بنائے، اس لئے کہ ہر ظلماتی چیز کے لئے ایک خاص قدسی روح ہے[1] یہ قدسی روح اسکے جبل ورید سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ ظلمانی مخلوق اپنی ذاتی حیثیت میں اس قدس سے اتنی دور ہے جیسے کہ دو مشرقین میں بعد ہو۔ تو جو مثال ہم نے بیان کی ہے اس کو سامنے رکھو![2]

اور جان لو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی چیز کو نہیں جانتا اور کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا۔ مگر اس حیثیت سے کہ وہ خیر محض ہے اور وجود صرف ہے، حضرت الاسماء کا ایک عکس ہے۔ یہ مسئلہ عمیق مسائل میں سے ہے اس کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کی جبلت میں اس کی استعداد ہو۔ اس مسئلے میں تھوڑا مضمون ہم تجھے لکھوا دیتے ہیں جیسا کہ تمام مشاجرات میں ہم نے مختصر تصنیفات کی ہیں۔

اس جملے کے لئے: الزوج اربعۃ (جفت چار ہے) میں چار اعتبار ہیں۔ اول یہ ہے کہ تو کہے الزوج منقسم بمتساویین (یعنی جفت دو برابر حصوں کی طرف منقسم ہے) اور زوج کے لفظ سے تیری مراد اربعہ (چار) ہو تو اس میں زوج کے لفظ "اربعہ" کے لئے عنوان بنا لیا ہے۔ اسی لحاظ سے زوج اربعۃ کی ایک تجلی ہے اور اس کا ایک اسم ہے۔ چونکہ یہ دونوں چیزیں ایک ہیں اسی وحدت کی شدت کی سبب سے یہ کہنا بھی ممکن نہیں رہا کہ "ہو ہو" (یعنی یہ وہی ہے) اور یہ اعتبار سب اعتباروں سے حق کے قریب ہے اور نفس الامر

---

[1] اس میں تدلس ایک خاص محل کی طرف سے اور وقع سے ہوا ہے، جس طرح بدن کے عضلات میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ (قاسمی)

[2] اس کی مثال صفرا کی ہے کہ یہ آگ سے پیدا ہوتی ہے حالانکہ وہ ماہیت کی وجہ سے آگ کو بجھا دیتی ہے۔ (قاسمی)

کی زیادہ حکایت کرتا ہے، الہیات میں حکمار ربانیین کا یہی مذہب ہے ان کے نزدیک علیم علم سے پہلے ہے اور سمیع سمع سے پہلے ہے۔ دو کلاموں میں سے ان کے ہاں احق بات یہ ہے کہ کہا جائے "العلیم السمیع الحکیم" ان کے نزدیک جو احق الکلامین تھا قرآن اس کے مطابق وارد ہے انکے مذہب کی صحیح حکایت یہ ہے کہ کہا جائے کہ اسم مسمی کا عین ہے ایک اعتبار سے اور دوسرے اعتبار سے کہا جائے کہ اسم مسمی کا تو عین ہے اور غیر ہے دوسرا اعتبار یہ ہے کہ تو کہے "الاربعۃ زوج" اس وقت تو نے زوج کے لفظ کا ایک مفہوم بنایا ہے جو اربع (چار) پر صادق آتا ہے۔ اور اس وقت تیرے قول کا مطلب یہ ہے کہ اربعۃ اور زوج اگرچہ دو مفہوم ہیں مگر دونوں لحاظ ہیں متحد ہوگئے۔ تو اس حکم کے زمانے میں اس کو ایک علم سمجھتا ہے کوئی معین چیز نہیں ہے۔ اور یہ اعتبار پہلے سے کم درجہ کا ہے[1] الہیات میں متکلمین کا یہی مذہب ہے، ان کے نزدیک علم، علیم سے پہلے ہے اور حکمت حکیم سے پہلے ہے، ان کے نزدیک احق الکلامین یہ ہے کہ کہا جائے: صفۃ العلم لہ وصفۃ الحکمۃ لہ (یعنی علم کی صفت اس کے لئے ہے اور حکمت کی صفت اس کے لئے ہے) یہ نہیں کہنا چاہیے "انہ الحکیم العلیم" وہ علیم اور حکیم کو ایک علمی چیز ہی جانتے ہیں گو عین شئی نہیں۔

تیسرا اعتبار یہ ہے کہ تو زوج کی خصوصیت میں اربعہ (چار) کے مظہریت کا ملاحظہ کرتا ہے۔ اور وہ وحدت جو اس سے پہلے تھی اس کا پیدا ہونا ملاحظہ نظر اور سرعت نفوذ سے تھا اس کو بیکار بنا دیتا ہے اور اس کے اس طرف پردے لٹکا دیتا ہے، ذہن کے اعتبارات میں اربعہ اس وحدت کا عنوان تھا، یہ ہے صوفیہ کا مذہب، ان کے نزدیک اچھی تعبیر یہ ہے کہ زوج ایک تعین ہے اربعہ کا اور مظہر ہے اس کا اور یہ اعتبار پہلے دو اعتباروں کے درمیان ایک برزخ ہے۔

چوتھا اعتبار یہ کہ پہلے جب تو اربعہ کہے اور اس کے معنی ذہن میں محفوظ کرلے پھر زوج کہے اور ذہن کی دوسری طرف اس کے معنی محفوظ کر کے پھر دیکھے کہ ان دونوں میں نسبت کیا ہے، پس سمجھے کہ اول ثانی کی علت ہے .... اور ثانی اس کا معلول ہے

---

[1] کیونکہ اس میں وحدت کو اثنینیت کے بعد لحاظ کیا گیا ہے۔ قاسمی عفرلہٗ

اگر اول نہ ہوتا تو موطن وجود ثانی بھی نہ ہوتا اور یہی ہے مذہب فلاسفہ کا، ان کے نزدیک ایک علم اس کا معلول ہے اور اس کی طرف محتاج ہے، ان کے نزدیک تعبیرات میں زیادہ سزاوار تعبیر یہ ہے کہ علم نہ ہوتا اگر واجب نہ ہوتا، اس کے سبب سے اور اس کے تقاضے سے علم وجود میں آیا۔

پس جب تجھے کہا جائے کہ اے سمجھ دار آدمی! عالم مستند (منسوب) ہے عقل فعال کی طرف تو انہوں نے جو کچھ حکم کیا ہے اس کی تصدیق کرے اور جس چیز کو انہوں نے اپنے قضیے کے موضوع میں عنوان بنایا ہے اس میں ان کو غلطی سمجھ![1]

ان کے کلام کی حقیقت جب کہ بدعت کے لباسوں سے مجرد کر دی جائے یہ ہے کہ واحد، فیاض، خلاق، جواد، عالم کا افاضہ کیا، اس کا ایجاد کیا۔ اور اس کو عدم سے نکالا۔ اور اس کے مثل ہے جب کہتے ہیں۔ "اوحی من تعلیم الفعال" یعنی وحی، عقل فعال کی تعلیم ہے جس چیز سے ان کے کلام کی اصلاح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کہا جائے۔ "وحی رب متکلم، جواد کا افاضہ ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یقین سے جان لو کہ یہ عقول کا مسئلہ، عقول کی ایک بدعت ہے اور ایجاد کے منصب میں سوا اللہ سبحانہ کے اور اس کے اسماء کے اور کوئی چیز نہیں یہ پختہ برہان اس کے لئے انشاء اللہ کافی ہوگی، جس کا قلب سلیم ہو اور کان لگا کر سن رہا ہو۔

یہ تجھے ضروری طور پر یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم اسماء سے مفہومات انتزاعیہ مراد نہیں لیتے بلکہ وجود ہے مقدس اور شخصیات ہیں منزہ اور تجلیات واجبیہ ہیں۔

اور یہ بھی یاد رکھو! کہ وہ عدم جسے بعض اہل کشف اور بعض اہل نظر نے موجودات مقدسہ کے لئے ثابت کیا ہے[2] وہ کوئی چیز نہیں ہے اس لئے کہ جب اسماء اپنی حقیقت کے

---

[1] - کیوں کہ انہوں نے تجلی کو ترک کر دیا اور عقل کو لیا۔ قاسمی

[2] امام ربانی مجدد الف ثانی نے عدم کو ثابت کیا ہے اور شخص اکبر کا وجود عدم سے مانا ہے، شاہ صاحب کا یہ کلام امام ربانی کے اس فکر پر رد ہے۔ ان دونوں ائمہ کے مابین تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ امام ربانی نے جو کچھ اس مسئلے میں فرمایا ہے وہ عوام کو سمجھانے کے لئے ہے۔ قاسمی

کے مطابق ثابت کئے جائیں تو وہاں کوئی عدم نہیں ہے۔ مگر حکایت عقلیہ کے حساب سے جو غیر واقعیہ ہے، جس کا تحقق صرف عقل کے درجہ وہم ہی ممکن ہے اور جب تو ان کو صفات یا عقول مانتا ہے تو اس سے عدم اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ اس نظر کے وقت اس کا واجب سے انقطاع ہوتا ہے۔

اس مسئلے میں حکماء کو اللہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے یہ اصطلاح مقرر کی کہ اثبات مقدسہ کا صدور تو اتصاف سے یا موسومیت سے نام رکھا جاتا ہے اور اثبات ملوثہ کا وجود خلق سے نام دیا جاتا ہے اور اس کو حدوث سے موصوف بناتے ہیں اس لئے کہ ارادہ کے ماتحت مقہور ہیں اور اسماء کے احکام وہاں مخلوط ہو جاتے ہیں اس طرح کہ کل، کل سے موجود نہیں ہوتا۔

اگر دو جماعتوں کا ایک چیز کو سمجھنے میں اختلاف ہو اور دونوں کے سمجھنے کے طریقے ایک ہوں اس کے بعد براہین قائم کئے جائیں تو ممکن ہے کہ صلح ہو جائے اور جب سمجھنے کے طریقے ہی مختلف ہوں تو صلح ہونا بہت مشکل ہے۔ ہاں! مگر اللہ چاہے کہ انہیں تنبیہ ہو۔

سبحانک وبحمدک لا احصی ثناء علیک کما اثنیت علی نفسک۔

(پہلا خزانہ پورا ہوا)